حضرت ابوالحسن علی ہجویریؒ

از

سید صباح الدین عبدالرحمٰن

حضرت ابوالحسن علی ہجویریؒ

از

سید صباح الدین عبدالرحمٰن

~~قیمت ایک روپیہ~~

معارف پریس اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویری

نام و نسب | ابوالحسن کنیت اور علی نام ہے، ہجویر اور جلاب غزنین کے دو گانون ہیں، شروع میں ان کا قیام یہیں رہا، اس لیے ہجویری اور جلابی کہلائے، آخر زندگی میں لاہور آکر رہے، اس لیے لاہوری بھی مشہور ہوئے، سال ولادت ۴۰۰ھ بتایا جاتا ہے، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، علی بن سید عثمان بن سید علی بن سید عبدالرحمٰن بن شاہ شجاع بن ابوالحسن علی بن حسن اصغر ابن سید زید شہید بن امام حسن بن علی مرتضیٰؓ،

تعلیم | تحصیل علم کی تفصیل کچھ زیادہ معلوم نہیں، کشف المحجوب میں اپنے اساتذہ میں حضرت ابوالعباس بن محمد الاشقانی کا نام لیا ہے، جن کے بارہ میں لکھتے ہیں:

اپنے عہد کے امام یکتا اور اپنے طریق میں یگانہ تھے، علم اصول و فروع میں امام، اور معانی میں بلند تھے بہت سے مشائخ کو دیکھا تھا، اور اکابر داجلۂ اہل تصوف میں تھے، اپنی راہ کو فنا سے تعبیر کرتے تھے مغلق عبارت ان کے ساتھ مخصوص تھی، جاہلوں کے ایک گروہ نے ان کی عبارت کی تقلید کی لیکن تقلید میں جو عبارتیں لکھی گئیں، وہ پراگندہ ہوتی تھیں مجھکو ان سے بڑا انس تھا، اور وہ میرے ساتھ سچی محبت کرتے تھے بعض علوم میں وہ میرے استاد تھے، جب تک میں ان کے پاس رہا کسی کو ان سے زیادہ شریعت

کا احترام کرتے نہ دیکھا، تمام موجودات سے وہ کنارہ کش ہو گئے تھے، امام محقق کے سوا ان کو کسی سے فائدہ نہ پہنچتا تھا، علم اصول میں ان کی عبارت بہت دقیق ہوتی تھی، انکی طبیعت ہمیشہ دنیا و عقبیٰ سے متنفر رہتی تھی، اور برابر شور کرتے کہ اَشْتَهِي عَدَمًا لَّا وُجُوْدَ لَهٗ یعنی "میں اس عدم کو چاہتا ہوں جس کا وجود نہیں"۔ اور فارسی میں کہتے

ہر آدمی را بایست محال باشد و مرا نیز بایستنی محال است کہ بیقین دانم کہ آن نباشد

اور وہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ مجھکو اس عدم کی طرف لے جائے کہ جہاں عدم کا وجود نہ ہو، مقامات اور کرامات محض حجاب و بلا ہیں، آدمی اپنے حجاب کا عاشق ہو، دیدار کی آرزو کی نیستی حجابات کے آرام سے بہتر ہے، صرف حق جل جلالہ کی ہستی ہی کہ اسکے لئے عدم نہیں ہے، اس کے ملک کا کیا نقصان اگر میں نیست ہو جاؤں، اور اس نیست کی کوئی ہستی نہ ہو، اور یہی صحت فنا کا اصلی قوی ہے، وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ[1]۔

حضرت شیخ ابو العباس اشقانی کا ذکر ایک جگہ اور کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، کہ ایک روز شیخ کے پاس آیا، تو دیکھا کہ یہ کہتے ہیں، ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْکًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے مملوک غلام کی مثال دی جو کسی چیز پر قدرت نہ رکھتا ہو، اور روتے ہیں، اور پھر نعرہ لگاتے ہیں، پوچھا کہ اے شیخ یہ کیا حال ہے، تو فرمایا کہ گیارہ سال سے اس مقام پر ہوں، لیکن آگے نہیں بڑھتا ہوں[2]

اپنے ایک اور استاد شیخ ابو جعفر محمد بن المصباح الصیدلانی کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں،

وہ رؤسائے متصوف میں تھے تحقیق میں ان کی زبان اچھی تھی، حسین بن منصور

---

[1] کشف المحجوب باب دوازدہم قلمی نسخہ دار المصنفین، [2] ایضاً نیز دیکھو نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین

سے بہت محبت کرتے تھے میں نے ان کی بعض تصانیف ان ہی سے پڑھی ہیں[1]

نفحات الانس میں ہے کہ شیخ ابو جعفر محمد بغداد کے رہنے والے تھے، حضرت جنید ابو العباس کے ہم عصر تھے، مکہ میں مجاوری کرنے، مصر میں وفات پائی، ان کی قبر زقاق مصری کے پہلو میں ہے،

شیخ ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری سے بھی استفادہ کیا، اور گو ان کے نام کے ساتھ "استاد" برابر لکھتے ہیں، لیکن واضح طور پر کہیں یہ ظاہر نہیں کیا ہے، کہ ان سے شاگردی کا بھی رشتہ تھا، مگر ان کے علم اور ان کی تصانیف کی تعریف کی ہے، اور ان کے ایسے اقوال بھی نقل کیے ہیں، جو ان کی زبان سے خود سنے۔

شیخ ابو القاسم بن علی بن عبد اللہ الگرگانی کو بھی اپنا معلم تسلیم کیا ہے، ان کو اپنے زمانہ کا قطب اور علم و فن میں بے نظیر اور بے عدیل بتایا ہے لکھتے ہیں کہ تمام لوگوں کے دلوں کا منہ ان کی درگاہ کی طرف تھا، طلبہ ان پر پورا اعتقاد رکھتے، اور مریدین کے واقعات کے کشف میں وہ ایک آیت کی حیثیت سے تھے، اور اپنا ذاتی واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں، کہ میں ایک روز اپنی باطنی کیفیت ان سے بیان کر رہا تھا، تو وہ بڑی عاجزی سے اس کو سن رہے تھے، میں اپنی نوجوانی کے نخوت و غرور میں سوچنے لگا کہ یہ بزرگ ابھی کوچۂ معرفت سے نہیں گذرے ہیں، اسی لئے عاجزی دکھا رہے ہیں، انھوں نے میرے دل کی بات معلوم کر لی اور فرمایا، اے میرے باپ کے دوست! میری یہ عاجزی تیرے لیے ہے، تیرے حال کے لیے نہیں ہے، حال کا بدلنے والا محال کے محل پر آتا ہے، میں یہ سن کر بے تاب ہو گیا، آخر میں رقمطراز ہیں کہ اس کے بعد انھوں نے مجھ کو بہت سے اسرار بتائے، اگر ان کے ظاہر کرنے میں مشغول ہوں

[1] کشف المحجوب

تو اصلی مقصد سے باز رہوں،

ائمۂ متاخرین میں ابو العباس احمد بن محمد القصاب سے بھی متاثر تھے، ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ماوراء النہر میں اپنے علوِ حال، صدق فراست، کثرت برہان و کرامت علم تصوف و اصول اور نیک سیرت کے لیے مشہور تھے، وہ امی تھے، لیکن اصول دین اور دقائق توحید کو لوگ ان ہی سے معلوم کرتے، ان کی ایک کرامت کا ذکر کر کے ان کے کچھ اقوال بھی نقل کیے ہیں،

انھوں نے ابو عبداللہ محمد بن علی المعروف بالداستانی، ابو سعید فضل اللہ ابن محمد اور ابو احمد بن احمد بن حمد کا ذکر خاص طور سے لطف و لذت کے ساتھ کیا ہے، ان کی تصانیف و تعلیمات سے مستفید ہوئے ہیں، خواجہ ابو احمد المظفر کی تعلیمات، فنا و بقا اور مجاہدہ و مشاہدہ سے متاثر تھے، اور ان کی صحبت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ ایک روز ان کے پاس سخت گرمی کے موسم میں الجھے ہوئے بالوں کے ساتھ پہنچا، انھوں نے دیکھکر پوچھا، کیا چاہتے ہو؟ عرض کیا، سماع، انھوں نے فوراً قوال کو بلایا، اور جب مجلس سماع شروع ہوئی تو مجھ پر بڑی بیقراری طاری رہی، اور جب میرا جوش و خروش ختم ہوا، تو پوچھا کہ سماع کا مزہ کیسا رہا، عرض کیا، اے شیخ میرے لیے تو بہت اچھا تھا، فرمایا ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ سماع اور کوے کی آواز تمھارے لیے یکساں ہو جائے گی، سماع میں قوت اس وقت تک ہے جب تک مشاہدہ نہیں ہوتا، اور جب مشاہدہ ہو جائے گا شوقِ سماع جاتا رہے گا، لیکن خیال رکھو کہ یہ عادت جزو طبیعت نہ بن جائے[1]،

[1] کشف المحجوب قلمی نسخہ دار المصنفین ذکر ائمہ متاخرین،

تعلیم طریقت | باطنی و روحانی تعلیم ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی سے پائی، جو جنیدیہ سلسلہ میں منسلک تھے، ان کے حال میں لکھتے ہیں:

اوتاد کی زینت اور عابدوں کے شیخ تھے، میری اقتدا طریقت ان ہی سے ہوئی، علم تفسیر و روایات کے عالم تھے، اور تصوف میں مذہب جنید کے پابند اور حصری کے مرید تھے، سیروانی کے دوست اور ابوعمر قزوینی اور ابو الحسن بن سالبہ کے معاصر تھے، ساٹھ سال تک گمنامی کی حالت میں گوشہ نشین ہوکر لوگوں سے دور رہے، قیام زیادہ تر کوہ لگام میں رہتا تھا، اچھی عمر پائی، ان کی ولایت کی بہت سی دلیلیں تھیں، لباس اور آثار ظاہری متصوفین کے نہ تھے، ظاہری رسم کی پابندی کرنے والوں کی مخالفت شدت سے کرتے تھے، ان سے زیادہ کسی کو پُر رعب نہیں دیکھا،

وہ حضرت شیخ ابوالحسن علی حصری کے مرید تھے، جن کو حضرت شیخ ابوبکر شبلیؒ سے ارادت تھی، اور شیخ ابوبکر شبلی کو حضرت جنید بغدادیؒ سے بیعت تھی، اس طرح شیخ ابوالحسن علی ہجویریؒ جنیدیہ سلسلہ کے بزرگ ہیں، اپنے مرشد کے اوصاف کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ ایک روز میں ان کا ہاتھ دھلا رہا تھا، تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ جب تمام کام تقدیر کے مطابق انجام پاتے ہیں، تو پھر ایک آزاد آدمی اپنے کو کرامت کی امید پر کیوں کسی پیر کا غلام بنائے، مرشد کو میرے دل کی یہ بات معلوم ہوگئی، اور انھوں نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے، جو تم سوچ رہے ہو، وہ مجھ کو معلوم ہوگیا، جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم ایک سبب سے ہوتا ہے، جب وہ چاہتا ہے کہ سپاہی بچہ کو بادشاہت دے تو اسکو توبہ کی توفیق دیتا اور کسی دوست کی خدمت میں مشغول کرتا ہے، اور وہ خدمت اسکی کرامت کا سبب بن جاتی ہے اسی طرح کی اور باتیں روز ظاہر ہوتی ہیں۔

مرشد کا وصال مرید کے زانو ہی پر ہوا، تحریر فرماتے ہیں،
جس روز آپ کی وفات ہوئی، آپ بیت الجن میں تھے، یہ گاؤں ایک گھاٹی پر دمشق اور بانیاز رز؟ کے درمیان ہے، اس وقت آپ کا سر میری گود میں تھا، میرے دل کو بڑی تکلیف ہو رہی تھی میں نے اس کا اظہار ایک دوست سے کیا، جیسا کہ عام لوگوں کی عادت ہوتی ہے، آپنے مجھ سے کہا اے بیٹے! اعتقاد کا مسئلہ تم کو بتاتا ہوں اگر تم اپنے کو اس کے مطابق درست کر لو تو تمام تکلیفوں سے تم کو رہائی ہو جائے تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ خدا ہر جگہ اور ہر وقت اچھوں اور بروں کو پیدا کرتا ہے، مگر اس کے فعل سے دشمنی کرنا نہیں چاہیے، اور نہ دل میں کسی تکلیف کو جگہ دینا چاہیے، سوا اس کے وصیت کا سلسلہ دراز نہیں کیا اور جان بحق ہوئے، [۱]

سیاحت | روحانی کسب کمال کے لیے تمام اسلامی ممالک شام، عراق، بغداد، پارس، قہستان، آذربائیجان، طبرستان، خوزستان، کرمان، خراسان، ماوراءالنہر، اور ترکستان وغیرہ کا سفر کیا، اور وہاں کے اولیاے عظام اور صوفیاے کرام کی روح پرور صحبتوں سے مستفیض ہوئے، خراسان میں وہ تین سو مشائخ سے ملے جن میں شیخ محمد زکی بن العلاءؒ شیخ القاسم سدسی شیخ الشیوخ ابوالحسن ابن سالبہ، شیخ ابواسحٰق بن شہریار، شیخ ابوالحسن علی بن بجران، شیخ ابوعبداللہ جنیدی، شیخ ابوطاہر مکشوف شیخ احمد بن شیخ حرقانی، خواجہ علی بن الحسین السیر کانی، شیخ مجتہد ابوالعباس دامغانی، خواجہ ابوجعفر محمد بن علی الجوینی، خواجہ رشید مظفر ابن شیخ ابوسعید، خواجہ شیخ احمد حمادی سرخسی، اور شیخ احمد نجار سمرقندی سے خاص طور پر متاثر ہوئے،

---

[۱] کشف المحجوب ذکر ائمہ متاخرین،

منازل سلوک کے طے کرنے میں جو مجاہدے کیے ان میں ایک عجیب و غریب واقعہ خود ہی یہ بیان کیا ہے، کہ میں ایک مرتبہ شیخ ابو یزیدؒ کے مزار پر تین مہینے تک حاضر رہا، ہر روز غسل اور وضو کر کے بیٹھتا تھا، مگر وہ کشف حاصل نہ ہوا، جو ایک بار وہیں حاصل ہو چکا تھا، آخر میں وہاں سے اٹھ کر خراسان کی طرف چلا گیا، ایک گاؤں میں پہنچا تو ایک خانقاہ میں متصوفین کی ایک جماعت نظر آئی، میں اس جماعت کی نظر میں بہت ہی حقیر معلوم ہوا، ان میں سے کچھ لوگ کہنے لگے کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے، اور وہ واقعی میں ان میں سے نہ تھا، انھوں نے مجھکو ٹھہرنے کے لیے ایک کوٹھا دیا، اور وہ خود اونچے کوٹھے پر ٹھہرے، کھانے کے وقت مجھ کو تو سوکھی روٹی دی، اور خود اچھا کھانا کھایا، کھانے کے بعد تمسخر سے خربزہ کے چھلکے میرے سر پر پھینکتے تھے، اور طنز کی باتیں کرتے تھے، مگر وہ جتنا زیادہ طنز کرتے تھے اتنا ہی میرا دل آنحضرت سے خوش ہوتا تھا، یہاں تک کہ ذلت اٹھاتے اٹھاتے وہ کشف حاصل ہو گیا، جو اس سے پہلے نہ ہوا تھا، اس وقت مجھکو معلوم ہوا کہ مشائخ جاہلوں کو اپنے یہاں کیوں جگہ دیتے ہیں،[۱]

ایک اور موقع پر تحریر فرماتے ہیں: کہ ایک مرتبہ شام میں حضرت بلالؓ موذن کے روضہ کے سرہانے سو رہا تھا، کہ خواب میں دیکھا کہ مکہ معظمہ میں ہوں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے اندر داخل ہو رہے ہیں، اور ایک بوڑھے آدمی کو گود میں لئے ہوئے ہیں، جیسے کوئی کسی بچہ کو لئے ہوتے ہیں، میں نے آگے بڑھ کر قدم چومے، اور حیران تھا، کہ گود میں یہ بوڑھا شخص کون ہے، آپ کو میرے دل کا حال معلوم ہو گیا، اور فرمایا کہ یہ تیرا اور تیرے دیار والوں کا امام ہے، یعنی ابو حنیفہ، اس خواب سے مجھ پر یہ ظاہر ہوا کہ

۱؎ کشف المحجوب باب ششم ذکر ملامت،

وامام ابوحنیفہ گو جسمانی طور سے فانی ہو چکے ہیں، مگر احکام شرعی کے لیے باقی اور قائم ہیں، اور ان کے حامل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں[1]،

عراق میں تھے تو خود ان کا قول ہے کہ دنیا حاصل کر کے لٹا رہے تھے، جس کسی کو کوئی ضرورت ہوتی، ان کی طرف رجوع کرتا، ایسے لوگوں کی خواہش پوری کرنے میں مقروض ہو گئے، ایک شیخ نے ان کو لکھ بھیجا کہ اے فرزند! کہیں اس قسم کی مشغولیت میں خدا کی مشغولیت سے دور نہ ہو جاؤ، اور یہ مشغولیت ہوائے نفس ہے، اگر کوئی ایسا شخص ہو جس کا دل تم سے بہتر ہو، تو ایسے دل کی تم خاطر کر سکتے ہو، تمام لوگوں کے لیے دل پریشان نہ رکھو، کیونکہ اللہ خود ہی اپنے بندوں کے لیے کافی ہے، اس پند و موعظت سے ان کو قلبی سکون حاصل ہوا، اور خود اپنی کتاب کشف المحجوب میں بھی اس کی تعلیم دی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں، کہ مخلوق سے "قطع تعلق کرنا گویا بلا سے چھوٹ جانا ہے، ایک انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی کی طرف نہ دیکھے تاکہ اس کی طرف بھی کوئی نہ دیکھے[2]"،

مخلوق سے انقطاع تعلق کے باوجود ان کا بیان ہے کہ وہ چالیس سال تک مسلسل سفر میں رہے، لیکن کبھی جماعت کی نماز ناغہ نہیں کی، اور ہر جمعہ کو نماز کے لیے کسی قصبہ میں قیام فرمایا[3]،

---

[1] کشف المحجوب، ذکر امام اعظم ابوحنیفہؒ [2] ایضاً فصل تیسری،

[3] کشف المحجوب میں ذکر صلوٰۃ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں،

"عبادت آنجا کہ می خواہی می کن و مشائخ رحمہم اللہ حق ادب آن نگاہداشتہ اند و مریدان را بدان فرمودہ اند یکے می گوید از ایشان کہ چہل سال سفر کردم ہیچ نمازم از جماعت خالی نبود، و ہر آدینہ بقصبہ بودم" خاکسار مولف کا خیال ہے کہ حضرت ہجویریؒ نے ان سطروں میں خود اپنی طرف اشارہ کیا ہے،

اپنے مرشد ہی کی طرح صوفیوں کے ظاہری رسوم سے نفرت کرتے تھے، ان ظاہری رسوم کو معصیت و ریا کہتے ہیں، اور ان کی صحبت کو تہمت کا مقام قرار دیتے تھے، چنانچہ اس حدیث (من کان منکم یومن باللہ والیوم الاخر فلا یقفن موا قف التھم) کو لکھکر خداوند تعالیٰ سے اپنے لیے اسی کی توفیق عطا کرنے کی دعا کی ہے، یعنی جب کوئی اللہ اور قیامت پہ ایمان رکھتا ہو تو اس کو مقام تہمت میں کھڑا نہ ہونا چاہیئے،[1]

ازدواجی زندگی

تعلقات زناشوئی سے پاک رہے، کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ ایک سال تک کسی سے غائبانہ عشق رہا، مگر جب اس میں غلو پیدا ہونے لگا، اور قریب تھا کہ ان کا دین تباہ ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف سے اس عشق مجازی کے فتنہ سے ان کو بچا لیا،[2]

ورود لاہور

فوائد الفواد (ص ۳۵) میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں، "شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری کا دونوں ایک ہی پیر کے مرید تھے، اور ان کے پیر اپنے عہد کے قطب تھے، حسین زنجانی عرصہ سے لاہور (لاہور) میں سکونت پذیر تھے،

---

[1] ذکر الفرق بین المقام والحال [2] کشف المحجوب کی اصل عبارت بھی ملاحظہ ہو، من کہ علی بن عثمان الجلابی ام از پس آنکہ مرا حق تعالیٰ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود، ہم تقدیر کرد تا بفتنہ اندر افتادم، ظاہر باطنم اسیر صفتے باشد کہ با من کردند بے آنکہ رویت بودہ بود و یک سال مستغرق آن بودم، چنانچہ نزدیک بود کہ دین بر من تباہ شود تا حق تعالیٰ بہ کمال لطف و تمام فضل خود عصمت را بہ استقبال دل بے چارۂ من فرستاد و بہ رحمت خلاصی ارزانی داشت،

کچھ دنوں کے بعد ان کے پیر نے خواجہ علی ہجویری سے کہا کہ لاہور میں جاکر قیام کرو، شیخ علی ہجویری نے عرض کیا کہ وہاں شیخ زنجانی موجود ہیں لیکن پھر فرمایا کہ تم جاؤ، جب علی ہجویری حکم کی تعمیل میں لاہور آئے تو رات تھی، صبح کو شیخ حسین کا جنازہ باہر لایا گیا"۔

معلوم ہوتا ہے کہ لاہور آکر پھر اپنے مرشد کے پاس واپس گئے، کیونکہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ وہ مرشد کے وصال کے وقت ان کے پاس موجود تھے، ممکن ہے کہ وفات کے بعد پھر لاہور آئے ہوں لیکن بہرحال لاہور کے قیام سے خوش نہیں تھے، ایک جگہ رقمطراز ہیں

"کتب من بہ حضرت غزنین ماندہ بود ہن اندر دیار ہند در بلدۂ لاہور کہ از مضافات ملتان است درمیان ناجنسان گرفتار شدہ بودم"۔

ہندوستان کے سفر میں جابجا علمی مذاکرہ بھی کیا، فرماتے ہیں:۔

"ہندوستان کے سفر میں ایک شخص کو دیکھا جو علم تفسیر و تذکیر کا مدعی تھا، مقام فنا اور بقا میں اس نے مجھ سے مباحثہ کیا، اس کی تقریر سے مجھ کو فوراً معلوم ہوگیا کہ فنا اور بقا سے بالکل ناآشنا ہے، بلکہ اس کو حادث اور قدیم کا بھی فرق نہیں معلوم تھا، (ذکر بقا و فنا)

وفات | آخر زندگی تک لاہور ہی میں قیام پذیر ہو کر رشد، ہدایت، اور تبلیغ میں مشغول رہے، اور یہیں ابدی نیند سو رہے ہیں، سال وفات ۴۶۵ھ ہے[1]، انتقال کے بعد مزار زیارت گاہ خلائق بن گیا، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے ان کی قبر پر چلہ کیا، اور جب مدت ختم کرکے رخصت ہونے لگے تو یہ شعر پڑھا،

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا
کاملاں را رہنما ناقصاں را رہنما

---

[1] عام طور سے تاریخ وفات ۴۶۵ھ ہی بتائی جاتی ہے لیکن لاہور کے بعض اہل قلم کی تحقیق ہے کہ ان کا وصال ۰۰ھ کے آغاز میں ہوا، (رسالہ داتا گنج بخش از پروفیسر علم الدین سالک)

تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ گنج بخش کے نام سے شہرت کا سبب یہی ہے عوام داتا بخش کہتے ہیں، لیکن گنج بخش سے شرک کی بو آتی ہے، اس لیے خیال ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے یہ شعر نہ کہا ہو کسی اور نے کہدیا ہو، حضرت فریدالدین گنج شکر نے بھی ان کے مزار پر چلہ کشی کی تھی، جو ان کے اعلیٰ روحانی کمال کی دلیل ہے، ان کا مزار پر انوار ہر زمانہ میں مرجع خلائق رہا ہے،

دارا شکوہ اپنے زمانہ کا حال لکھتا ہے،

" خلقی انبوہ بر شب جمعہ بزیارت آں روضہ منورہ مشرف می گردند مشہور است کہ ہر کہ چہل شب جمعہ یا چہل روز بہم طواف روضہ شریفہ ایشان بکند، ہر حاجتے کہ داشتہ باشد حصول می انجامد، فقیر نیز بزیارت روضہ منورہ ایشان و والدین و خال ایشان مشرف گشتہ،[1]

ڈاکٹر اقبال نے ان کے متعلق کہاہے،

سید ہجویر مخدوم امم — مرقد او پیر سنجر را حرم
بندہائے کوہسار آسان گسیخت — در زمین ہند تخم سجدہ ریخت
عہد فاروق از جمالش تازہ شد — حق ز حرفِ او بلند آوازہ شد
پاسبانِ عزتِ ام الکتاب — از نگاہش خانۂ باطل خراب
خاک پنجاب از دمِ او زندہ گشت — صبح ما از مہرِ او تابندہ گشت
عاشق و ہم قاصد تیار عشق — از جبینش آشکار اسرار عشق

ان کے مزار کو سلطان مسعود غزنوی کے جانشین سلطان ابراہیم غزنوی نے تعمیر کرایا،

---

[1] سفینۃ الاولیاء ص ۲۸۳

تصانیف | کشف المحجوب کے علاوہ ان کی تصنیفات میں سے حسب ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں :-

(۱) منہاج الدین، اس میں اہل صفہ کے مناقب لکھے تھے، بقیہ اور کتابوں کے مضامین ان کے نام سے ظاہر ہیں، (۲) کتاب الفنا و البقا (۳) اسرار الخرق و المؤنات (۴) کتاب البیان لاہل العیان (۵) بحر القلوب (۶) الرعایۃ لحقوق اللہ

شعر و شاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے، کشف المحجوب میں اپنے ایک دیوان کا بھی ذکر کیا ہے، ان کی تحریر سے ان کی دو اور کتابوں کا بھی پتہ چلتا ہے :-

"پیش ازیں اندر شرح کلام وے (منصور حلاج) کتابے ساختہ ام"

"من اندر بیان این (ایمان) کتابے کردہ جداگانہ،

لیکن ان کتابوں میں سے اب کسی کا بھی پتہ نہیں ہے، ہم تک ان کی صرف کشف المحجوب پہنچی ہے، جو ہر زمانہ میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے مثل سمجھی گئی ہے، فارسی زبان میں تصوف کی یہ پہلی کتاب ہے، حضرت نظام الدین اولیاء کا ارشاد ہے کہ جسکا کوئی مرشد نہ ہو، اس کو کشف المحجوب کے مطالعہ کی برکت سے مل جائے گا، حضرت شرف الدین یحییٰ منیری اپنے مکتوبات میں اس کتاب کا جا بجا ذکر فرماتے ہیں، حضرت جہانگیر اشرف سمنانی کے ملفوظات لطائف اشرفی میں اس کا حوالہ بکثرت موجود ہے، ملا جامی رقمطراز ہیں،

کشف المحجوب از کتب معتبرہ مشہور دریں فن است و لطائف و حقائق دراں کتاب جمع

لہ درر نظامی مرتبہ شیخ علی محمود جاندار نسخہ قلمی مملوکہ سید علیم الدین خادم نظام المشائخ دہلی یہ اس کو مخدومی المحترم جناب عبدالماجد صاحب دریابادی کی کتاب تصوف اسلام سے لیا ہے جنھوں نے کشف المحجوب اور اس کے مصنف پر ایک سیر حاصل مقالہ لکھا ہے،

کردہ است۔[1]

دارا شکوہ لکھتا ہے :-

حضرت علی ہجویری ؒ را تصنیف بسیار است اما کشف المحجوب مشہور و معروف است و ہیچ کس را، بر آن سخن نیست و مرشدی است کامل، در کتب تصوف بخوبی آن در زبان فارسی کتابے تصنیف نہ شدہ۔[2]

کشف المحجوب کی تصنیف کا سبب ابو سعید ہجویری کا ایک استفسار ہے، جو تصوف کے رموز و اشارات کو حضرت شیخ ہجویری ؒ سے سمجھنا چاہتے ہیں، اسی کے جواب میں شیخ نے تصوف کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے جس سے کشف المحجوب تصوف کی قابل قدر کتاب بن گئی ہے، اس کے ذریعہ گویا پہلی مرتبہ اسلامی تصوف کو ہندوستان میں پیش کیا گیا ہے، اس لیے اس کے مباحث ناظرین کے سامنے زیادہ تفصیل سے پیش کیے جاتے ہیں،

علم کتاب کا پہلا باب علم کی بحث سے شروع ہوتا ہے، اس باب میں پانچ فصلیں ہیں، شروع میں کلام مجید اور احادیث نبوی کی روشنی میں علم کی اہمیت دکھا کر یہ بتایا ہے کہ علم ہی کے ذریعہ ایک سالک مراتب اور درجات کے حصول کے قابل ہوتا ہے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ اپنے علم پر بھی عمل کرتا ہو، پھر علم کی دو قسمیں بتائی ہیں، (۱) علم خداوند تعالیٰ (۲) علم خلق، اور ان کی تصریح اس طرح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے نزدیک اس کے بندوں کا علم بالکل ہیچ ہے، وہ تمام موجودات اور معدومات کو جانتا ہے، بندوں کا علم ایسا ہونا چاہیئے کہ ظاہر و باطن میں نفع بخش ہو، اس کی دو قسمیں

---

[1] نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین، [2] سفینۃ الاولیاء ص ۲۸۲

ہیں، (۱) اصولی یعنی ظاہر میں کلمۂ شہادت پڑھنا، اور باطن میں معرفت کی تحقیق کرنا، (۲) فروعی یعنی ظاہر میں معاملہ کرنا اور باطن میں اس کے لیے صحیح نیت رکھنا،

حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک ظاہر بغیر باطن کے منافقت ہے، اور باطن بغیر ظاہر کے زندقہ، علم باطن حقیقت اور علم ظاہر شریعت ہے، علم حقیقت کے تین ارکان ہیں، (۱) خداوند تعالیٰ کی ذات کا علم یعنی وہ ہمیشہ سے ہے، اور رہیشہ رہے گا، وہ نہ کسی مکان میں ہے، نہ جہت میں، اس کا کوئی مثل نہیں (۲) خداوند تعالیٰ کے صفات کا علم یعنی وہ عالم ہے، اور ہر چیز کو جانتا ہے، دیکھتا ہے اور سنتا ہے، (۳) خداوند تعالیٰ کے افعال کا علم، وہ تمام خلائق کا پیدا کرنے والا ہے،

علم شریعت کے بھی تین ارکان ہیں، (۱) کتاب (۲) سنت (۳) اجماع امت

پہلا علم گویا خدا کا علم ہے، اور دوسرا خدا کی طرف سے بندہ کو عطا کیا ہوا علم، حضرت شیخ ہجویری نے صوفیائے کرام کے اقوال اور اپنے دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ جس شخص کو خدا کا علم یعنی علم حقیقت نہیں، اس کا دل جہالت کے سبب سے مردہ ہے، اور جس شخص کو اس کا عنایت کیا ہوا یعنی علم شریعت نہیں اس کا دل نادانی کے مرض میں گرفتار ہے، شیخ نے دونوں علموں کو لازم ملزوم قرار دیا ہے، اور حضرت ابوبکر وراق ترمذی کے اس قول کی تائید کی ہے، کہ جس شخص نے صرف علم توحید پر اکتفا کی وہ زندیق ہے،

فقر دوسرا باب فقر سے شروع ہوتا ہے، اس میں تین فصلیں ہیں،

پہلی فصل میں کلام مجید اور احادیث کی روشنی میں دکھایا ہے کہ فقر کا مرتبہ خدا کے نزدیک بہت بڑا اور افضل ہے، اور فقر کی تعریف یہ ہے کہ اس کے پاس کچھ نہ ہو

اس کی کسی چیز میں خلل نہ آئے، نہ دنیاوی ساز و سامان ہونے سے مالدار ہو جائے، اور نہ اس کے نہ ہونے سے محتاج ہو جائے، یعنی اس کا ہونا اور نہ ہونا اس کے نزدیک برابر ہو، بلکہ نہ ہونے سے اور بھی زیادہ خوش ہو کیونکہ فقیر جتنا تنگ دست ہوگا اسی قدر اس پر حال زیادہ کشادہ ہوگا، اور اسرار منکشف ہوں گے، وہ جس قدر دنیا کے مال و متاع سے بے نیاز ہوتا جاتا ہے، اتنا ہی اس کی زندگی الطاف خفی اور اسرار روشن سے وابستہ ہوتی جاتی ہے، اور رضائے الہٰی کی خاطر وہ دنیا کی تمام چیزوں کو نظر انداز کر دیتا ہے، ایک فقیر کا کمالِ فقر یہ ہے کہ اگر دونوں جہان اس کے فقر کے ترازو کے پلڑے میں رکھے جائیں تو وہ ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوں، اور اس کی ایک سانس دونوں عالم میں نہ سمائے،

دوسری فصل میں صوفیانہ نقطہ نظر سے فقر و غنا پر بحث کی ہے بعض صوفیائے کرام کا خیال ہے کہ غنا، فقر سے افضل ہے، ان کی دلیل خود غنا خداوند تعالیٰ کی صفت ہے، فقر کی نسبت اس کی جانب جائز نہیں، اور دوستی میں ایسی صفت جو خدا اور بندہ کے درمیان مشترک ہو، ضرور پائی جائے گی، اور یہ اس صفت یعنی فقر سے بہتر ہے، جس کو خداوند تعالیٰ کی جانب منسوب کرنا روا نہیں،

حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس منطقیانہ دلیل کو منطقیانہ دلائل ہی سے رد کیا ہے، مثلاً خدا کی صفات میں مماثلت کی کوشش آپس میں برابر ہونے کی دلیل ہے، مگر خدا تعالےٰ کی صفت قدیم ہے، اور خلق کی صفت حادث ہے، اس لیے دونوں میں مماثلت ممکن نہیں، غنی خدا کے منجملہ اور ناموں کے ایک نام ہے، یہ اسی کے لیے زیبا ہے، بندہ اس نام کا مستحق نہیں ہو سکتا، بندہ کے غنا کا کوئی سبب ہوتا ہے، مگر خدا کا غنا سبب سے

بے نیاز ہے، خلق کے غنا میں حدوث و تغیرات ہوتے ہیں، خالق کا غنا اس سے ماوراء ہے۔ اس کی قدرت کا کوئی مانع نہیں، وجود بشری کو حاجت لازم ہے، کیونکہ حدوث کی علامت احتیاج ہے، اور جب احتیاج پیدا ہوتی ہے تو پھر غنا کیونکر باقی رہ سکتا ہے؟ اس تشریح و تفصیل کے بعد حضرت شیخ ہجویریؒ نے غنا، کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفت قرار دیا ہے، جو ایک بندہ کے لیے کسی طرح سزاوار نہیں،

مگر حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک بندہ کا غنی ہونا محال بھی نہیں، "الغنی من اغناہ اللہ" یعنی غنی وہ ہے جس کو خدا غنی کر دے، اس لیے غنی باللہ فاعل ہے، اور "من اغناہ اللہ" مفعول ہے، فاعل بذات خود قائم ہے، اور مفعول فاعل کی وجہ سے قائم ہوتا ہے، اگر بندہ غنا سے سرفراز کیا جاتا ہے، تو یہ اس کے لیے نعمت ضرور ہے، مگر اس نعمت میں غفلت اسی طرح آفت ہے جس طرح فقر میں حرص، اس لیے بندہ اگر غنی ہے تو اس کو غافل نہ ہونا چاہئے، اور اگر فقر رکھتا ہو تو اس کو حریص نہ ہونا چاہیئے، حضرت ہجویریؒ کے نزدیک غنا میں دل کے غیر سے مشغول رہنے کا احتمال باقی رہتا ہے، اور فقر میں دل اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے جدا رہتا ہے، اس لیے فقر غنا سے بہتر ہے، اور جب ایک طالب خدا کے سوا دنیا کی تمام چیزوں سے مستغنی ہو جاتا ہے، تو فقر و غنا کے دونوں نام اس کے لیے بے معنی ہو جاتے ہیں،

تیسری فصل میں فقر و فقیر سے متعلق مشائخ عظام کے جو اقوال ہیں ان کی تشریح اور تفصیل کی ہے، مثلاً حضرت رویم بن محمد فرماتے ہیں کہ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اپنے بھیدوں کو محفوظ رکھے، اور اس کا نفس آفت سے مصئون ہو، اور وہ فرائض کا پابند ہو، شیخ ہجویریؒ نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ جو کچھ فقیر کے دل پر گذرے

اس کو ظاہر نہ کرے، اور جس کا ظہور ہو جائے اس کو چھپائے نہیں، اور نہ اسرار کے غالب ہونے سے ایسا مغلوب ہو جائے کہ شریعت کے احکام ادا نہ کر سکے، یا مثلاً حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں کہ فقیر کی صفت یہ ہے کہ نہ ہونے کی صورت میں سکوت کرے، اور ہونے کے وقت خرچ کرے، اور خرچ کے لیے بے چین ہو، حضرت شیخ ہجویریؒ نے دو طرح سے اس کی تفسیر کی ہے، ایک یہ کہ نہ ہونے کے وقت سکوت گویا خداوند تعالیٰ کی رضا کی دلیل ہے، اور اگر اس کے پاس کچھ ہو گیا تو گویا اس کو خداوند تعالیٰ کی جانب سے خلعت عطا ہوا، مگر خلعت فرقت کی نشانی ہے، کیونکہ محب خلعت قبول نہیں کرتا، اس لیے جو کچھ فقیر کو ملتا ہے، اس کو وہ دوسروں کو دیکر جلد اپنے سے جدا کر دیتا ہے، دوسری تفسیر یہ کی ہے، کہ فقیر کو سکون اسی وقت حاصل ہوتا ہے، جب وہ کسی چیز کا منتظر نہیں رہتا، اور جب کوئی چیز حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اس کو اپنے سے غیر پاتا ہے، اور غیر کے ساتھ اس کو آرام نہیں ملتا، اس لیے اس کو ترک کر دیتا ہے،

صوفی کی اصلیت تیسرے باب میں صوفی کی اصلیت سے محققانہ بحث کی ہے، اس میں بھی تین فصلیں ہیں،

لفظ صوفی کی اصلیت ہمیشہ سے مختلف فیہ رہی ہے، ایک گروہ کہتا ہے کہ صوفی صوف کا کپڑا پہنتا ہے، اس لیے اس نام سے منسوب ہوا، دوسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ صف اول میں رہتا ہے اس لیے اس نام سے پکارا جاتا ہے، تیسرے کا خیال یہ ہے کہ صوفی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ اصحاب صفہ کے ساتھ دوستی رکھتا ہے، اور چوتھے کی رائے یہ ہے کہ یہ اسم صفا سے مشتق ہے، اسی طرح اور توجیہات ہیں، مگر حضرت شیخ ہجویریؒ

نے ان میں سے ہر ایک کو غلط قرار دیا ہے، فرماتے ہیں کہ صوفی کو صوفی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب کر لیتا ہے، اور طبیعت کی آفتوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے، اور حقیقت میں صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے پاک اور صاف ہو کیونکہ تصوف باب تفعل سے ہے جس کا خاصہ تکلف ہے یعنی صوفی اپنے نفس پر تکلیف اٹھاتا ہے، اور یہی تصوف کے اصلی معنی ہیں،

اہل تصوف کی تین قسمیں ہیں،

(۱) صوفی، جو اپنی ذات کو فنا کر کے خدا کی ذات میں بقا حاصل کرتا ہے، اور اپنی طبیعت سے آزاد ہو کر حقیقت کی طرف متوجہ ہوتا ہے (۲) متصوف۔ جو صوفی کے درجہ کو مجاہدہ سے تلاش کرتا ہے، اور اس تلاش میں اپنی ذات کی اصلاح کرتا ہے، (۳) مستصوف: جو محض مال و منال اور جاہ و حشمت کے لیے اپنے کو مثل صوفی کے بنا لیتا ہے،

پس صوفی صاحب وصول (یعنی وصل حاصل کرنے والا) متصوف صاحب اصول (یعنی صوفی کے اصول پر چلنے والا) اور متصوف صاحب فضول ہوتا ہے،

دوسری فصل میں حضرت شیخ ہجویری نے مشائخ کبار کے اقوال نقل کیے ہیں، جن سے ان کے مذکورہ بالا خیالات کی تائید ہوتی ہے، مثلاً حضرت حسن نوری فرماتے ہیں کہ تصوف تمام حظوظ نفسانی کے ترک کرنے کا نام ہے، اور صوفی وہ لوگ ہیں جن کا ذکر بشریت کی کدورت سے آزاد ہو گیا ہو، اور نفسانی آفتوں سے صاف ہو کر اخلاص سے مل گیا ہو، یہانتک کہ غیر خدا سے بری ہو کر وہ صف اول اور درجۂ اولیٰ میں پہنچ جاتے ہیں۔

حضرت حصریؒ کا قول ہے کہ تصوف دل اور بھید کی صفائی اور کدورت کی مخالفت کا نام ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کی تصریح یہ کی ہے کہ فقیر اپنے دل کو خدا کی مخالفت کے میل سے پاک رکھتا ہے کیونکہ دوستی میں صرف موافقت ہوتی ہے اور موافقت مخالفت کی ضد ہے، اور جب مراد ایک ہوتی ہے، تو مخالفت نہیں ہوتی ہے، اس لیے دوست کو دوست کے حکم کی تعمیل کے سوا اور کچھ نہیں چاہیئے،

حضرت شبلیؒ کا قول ہے، کہ صوفی وہ ہے کہ دونوں جہان میں خدائے عزوجل کے یہاں کوئی چیز نہ دیکھے، حضرت ہجویریؒ نے اس کی تشریح کرکے بتایا ہے کہ بندہ جب غیر کو نہ دیکھے گا، تو اپنی ذات کو نہ دیکھے گا، اس طرف اپنی ذات کی نفی اور اثبات سے فارغ ہو جائے گا

تصوف | اس بحث میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے حضرت جنیدؒ کے اس قول کی تائید کی ہے کہ تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے، جن سے آٹھ پیغمبروں کی پیروی ہوتی ہے، یعنی تصوف میں سخاوت حضرت ابراہیمؑ کی ہو، رضا حضرت اسمٰعیلؑ کی ہو، صبر حضرت ایوبؑ کا ہو، اشارہ حضرت زکریاؑ کے ہوں، غربت حضرت یحییٰؑ کی ہو، سیاحت حضرت عیسیٰؑ کی ہو، لباس حضرت موسیٰؑ کا ہو، اور فقر حضرت محمد مصطفےٰ کا ہو

تیسری فصل میں حضرت ہجویریؒ کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تصوف محض علوم و رسوم کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک خالص اخلاق کا نام ہے، علوم ہوتا تو تعلیم سے حاصل ہوتا، رسوم ہوتا تو مجاہدے سے حاصل ہوتا، مگر یہ نہ تعلیم سے حاصل ہوتا ہے اور نہ صرف مجاہدہ سے، اس اخلاق کی تین قسمیں ہیں،

(۱) خدا کے احکام کو ریا سے پاک ہوکر پورا کرنا، (۲) بڑوں کی عزت کرنا اور چھوٹوں کے ساتھ عزت سے پیش آنا اور کسی سے انصاف اور عوض نہ چاہنا،

(۳) نفسانی خواہشوں کا اتباع نہ کرنا،

صوفی کا لباس | چوتھے باب میں صوفیوں کے لباس پر تین فصلوں میں بحث کی ہے صوفی سنت رسول کی پیروی میں کمل یا گدڑی لباس کے طور پر استعمال کرتا ہے، جو اس کے فقر و ریاضت کی دلیل ہے، مگر گدڑی پہننے کے لیے شیخ ہجویریؒ نے بہت سی شرطیں مقرر کی ہیں، گدڑی پہننے والوں کو تارک الدنیا یا اللہ کا عاشق ہونا چاہیئے، اس کے باوجود وہ خود گدڑی اسی وقت پہن سکتا ہے، جب کہ اس کو مشائخ پہنائیں، اس کے لیے ضروری ہے، کہ موخرالذکر اول الذکر سے ایک سال خلق کی خدمت اور ایک سال خدا کی خدمت لیں، اور ایک سال اس کے دل کی رعایت حاصل کریں، خلق کی خدمت یہ ہے کہ وہ سب کو بلا تمیز اپنے سے بہتر جانتا ہو، اور ان کی خدمت اپنے لیے واجب سمجھتا ہو، مگر اپنی خدمت کی فضیلت کا گمان مطلق نہ کرتا ہو، خدا کی خدمت یہ ہے کہ دنیا و عقبیٰ کے مزے ترک کر دیتا ہو، اور جو کام کرتا ہو صرف خدا کی خاطر کرتا ہو، دل کی رعایت یہ ہے کہ اس میں ہمت ہو، اس سے تمام غم دور رہوں، اور وہ صرف اللہ کی طرف متوجہ ہو، جب یہ تینوں شرطیں پوری ہو جائیں تو شیخ اپنے مرید کو گدڑی پہنا سکتا ہے، گدڑی پہننا گویا کفن کا پہننا ہے جس کے بعد زندگی کی تمام لذتوں اور آسائشوں سے کنارہ کش ہو کر صرف خدا کا ہو کر رہنا پڑتا ہے،

ملامت | چھٹا باب ملامت پر ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ نے خلق کی ملامت کو خدا کے دوستوں کی غذا کہا ہے، اور اس کی تین قسمیں بتائی ہیں:-

(۱) ایک یہ کہ ایک شخص اپنے معاملات و عبادات میں درست ہو، پھر بھی خلق اس کو ملامت کرتی ہو لیکن وہ اس کی پرواہ مطلق نہ کرتا ہو، مثلاً شیخ ابو طاہر حرمیؒ ایک بار

بازار میں جا رہے تھے، ایک شخص نے ان سے کہا، "اے پیر زندیق کہاں جاتا ہے؟" ان کے ایک مرید نے اس سے جھگڑا کرنا چاہا، مگر انھوں نے روک دیا، اور جب گھر آئے، تو مرید کو بہت سے خطوط دکھائے، جن میں ان کو کسی میں شیخ ذکی کسی میں شیخ زاہد کسی میں شیخ الاسلام اور کسی میں شیخ الحرمین کہکر مخاطب کیا گیا تھا، اور فرمایا کہ ہر شخص اپنے اعتقاد کے مطابق جو چاہتا ہے، مجھ کو کہتا ہے: کہ مگر یہ سب اسم نہیں ہیں، القاب ہیں، کوئی مجھ کو زندیق کہے تو اس کے لیے جھگڑا کیوں کیا جائے،

(۲) دوسری یہ کہ وہ دنیا کی جاہ و حشمت سے منہ موڑ کر خدا کی جانب مشغول ہو، اور خلق کی ملامت کو روا رکھتا ہو کہ دنیا کی طرف مائل نہ ہونے پائے، مثلاً ابو یزید رمضان کے مہینے میں سفر حجاز سے اپنے شہر میں واپس آئے، تو لوگوں نے بہت ہی اعزاز واکرام سے ان کا استقبال کیا، اس خیر مقدم میں وہ خدا کی یاد سے غافل ہو گئے، انھوں نے اسی وقت اپنی آستین سے ٹکیہ نکال کر کھانا شروع کر دیا، لوگوں نے ان کو ٹکیہ کھاتے دیکھا تو ان کو ملامت کرنے لگے، اور ان سے برگشتہ ہو گئے، ابو یزید نے قصداً ایسا کیا تا کہ وہ دنیا اور دنیا والوں کی طرف متوجہ نہ ہونے پائیں،

(۳) تیسری یہ کہ وہ ضلالت اور گمراہی میں مبتلا ہو، اور اس سے خلق کی ملامت کے ڈر سے باز آنا محض نفاق اور ریاکاری سمجھتا ہو، یہاں تک کہ شریعت کو بھی ترک کر دیتا ہو، جو شیخ ہجویریؒ کے نزدیک صحیح نہیں،

حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس قول کی تائید کی ہے کہ ملامت عاشقوں کے لیے ایک تر و تازہ باغ، دوستوں کے لیے مایۂ تفریح، مشتاقوں کے لیے راحت اور مریدوں کے لیے سرور ہے، حضرت ابراہیم ادہمؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ان سے

پوچھاکہ آپ کبھی اپنی مراد کو بھی پہنچے، تو انھوں نے کہاکہ ہاں دو بار، ایک مرتبہ میں کشتی میں بیٹھا ہوا تھا، مجھکو کسی نے نہیں پہچانا، اس وقت میں پرانے اور پھٹے کپڑے پہنے ہوئے تھا، سر کے بال بڑھے ہوئے تھے، میری حالت دیکھکر کشتی والے مجھ پر ہنستے تھے، جو شخص آتا میرے سر کے بال پکڑ کر کھینچتا، اور تمسخر کرتا، اس وقت میری مراد حاصل ہو رہی تھی، اور میں اس لباس میں خوش ہو رہا تھا، مگر ایک روز یہ خوشی ختم ہوگئی، کیونکہ اس روز ایک مسخرہ اٹھا اور اس نے میرے اوپر پیشاب کر دیا، اور مجھکو وہ لباس اتارنا پڑا، دوسری بار میری مراد اس طرح پوری ہوئی کہ ایک روز سخت بارش ہو رہی تھی، جاڑے کا زمانہ تھا، ایک گاؤں میں پہنچا، میرا جبہ بھیگ گیا تھا، ایک مسجد میں گیا، وہاں کسی نے مجھکو ٹھہرنے نہیں دیا، سردی سے پریشان ہوکر میں ایک حمام کی بھٹی میں گھس گیا، اور دامن سمیٹ کر آگ کی طرف بیٹھ گیا، اس کے دھوئیں سے میرے کپڑے اور میرا منہ کالا ہوگیا، اس وقت میں اپنی مراد کو پہنچا،

آگے سات بابوں میں صوفیانہ نقطۂ نظر سے صحابۂ عظام، اہل البیت، اہل الصفہ، تبع تابعین، ائمہ اور صوفیائے متاخرین کا ذکر ہے،

چودھواں باب نہایت اہم ہے، اس میں صوفیوں کے مختلف فرقوں کے عقائد پر ناقدانہ اور محققانہ مباحث ہیں، ان کی تفصیل غالبًا نامناسب نہ ہوگی،

رضا | پہلا فرقہ محاسبیہ ہے، جو عبداللہ بن حارث بن اسد المحاسبی کی جانب منسوب ہے، حارث محاسبی کا عقیدہ تھا کہ رضا مقامات میں سے نہیں، بلکہ احوال میں سے ہے، حضرت ہجویری نے رضا اور مقامات کی تشریح کر کے حارث کی مدافعت کی ہے، اور رضا کی دو قسمیں بتائی ہیں، (۱) خداوند تعالیٰ کی رضا بندہ سے (۲) بندہ کی رضا خداوند تعالیٰ سے،

بندہ سے خداوند تعالیٰ کی رضا یہ ہے کہ وہ ان کو ثواب نعمت اور بزرگی عطا کرتا ہے، اور خداوند تعالیٰ سے بندوں کی رضا یہ ہے کہ وہ اس کے احکام کی تعمیل کریں، خداوند تعالیٰ اپنے احکام میں یا تو کسی چیز سے منع کرتا ہے، یا عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے، مگر اس کے احکام کے ماننے والے اس کے خوف وہیبت میں ایسے ہی لذت محسوس کرتے ہیں، جیسے اس کے لطف وکرم سے حظ اٹھاتے ہیں، اس کا جلال اور جمال ان کی نظروں میں یکساں ہے، اور وہ محض اس لیے کہ وہ اپنے اختیارات کو سلب کر لیتے ہیں جس کے بعد ان کا دل غیر کے اندیشہ سے نجات پاکر تمام غم والم سے آزاد ہو جاتا ہے،

اصحاب رضا چار قسم کے ہوتے ہیں، ایک خداوند تعالیٰ کی عطا (خواہ وہ کیسی ہی ہو) پر راضی رہتے ہیں، یہ معرفت ہے، دوسرے اس کی نعمتوں (دنیاوی) پر راضی ہوتے ہیں، وہ دنیا والے ہیں، تیسرے مصیبت پر راضی رہتے ہیں، یہ رنج ہے، چوتھے احوال ومقامات کی قید سے نکل کر صرف خداوند تعالیٰ کی خوشی پر رہتے ہیں، یہ محبت ہے،

دوسرا گروہ قصاریہ کا ہے، اس کے پیشوا ابو صالح بن حمدون بن احمد بن عمارۃ القصار ہیں، جو خلق کی ملامت کو تزکیۂ نفس کے لیے ضروری سمجھتے ہیں، ملامت پر بحث چھٹے باب میں گذر چکی ہے، اس لیے حضرت ہجویریؒ نے اس موقع پر اس مسلک پر بہ تفصیل کے ساتھ روشنی نہیں ڈالی ہے،

سکر وصحو | اس کے بعد گروہ طیفوریہ اور گروہ جنیدیہ کا ذکر ہے، اول الذکر کے پیشوا ابو یزید طیفور بن سروشان البسطامی اور موخر الذکر کے امام ابو القاسم الجنید بن محمد ہیں، پہلے گروہ کا عقیدہ سکر اور دوسرے کا صحو پر مبنی ہے، اس سلسلہ میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے بتایا ہے، کہ سکر اور صحو کیا ہیں، سکر حق تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہے، ایک سالک جب

محبوب کے جمال کو دیکھتا ہے، تو اس کی عقل عشق سے مغلوب ہو جاتی ہے، اور بغایت بے خودی میں اس کے ادراک اور ہوش باقی نہیں رہتے، اس پر محویت اور فنا کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، صحو محویت کے بعد حصول مراد کا نام ہے، جس میں جمال محبوب کے مشاہدہ سے حیرت اور وحشت باقی نہیں رہتی، صحو میں غفلت سے حجاب پیدا ہوتا ہے، لیکن جب یہی غفلت محبت بن جاتی ہے، تو وہ کشف ہے، صحو غفلت کے قریب ہو تو سکر ہے، اور سکر محبت کے قریب ہو تو صحو ہے. جب دونوں کی اصل صحیح ہو تو سکر صحو اور صحو سکر ہے، اس جزوی اختلاف کے باوجود، دونوں ایک دوسرے کی علت و معلول ہیں لیکن جب دونوں کی اصل صحیح نہ ہو، تو دونوں بے فائدہ ہیں، حضرت شیخ ہجویریؒ خود جنیدی مسلک کے پابند تھے، اور صحو کو سکر پر فوقیت دیتے تھے، لکھتے ہیں کہ مقام صحو مردوں کی جائے فنا ہے،

عزلت نشینی پانچواں گروہ نوریہ کا ہے جس کے پیشوا ابن الحسن بن نوریؒ ہیں، وہ درویشوں کی عزلت گزینی کو ایک نامحمود فعل سمجھتے ہیں، اور صحبت کو ضروری قرار دیتے ہیں، اور اصحاب صحبت کے لیے ایثار و کلفت برداشت کرنے کو بھی ضروری سمجھتے ہیں، ورنہ اس کے بغیر صحبت حرام ہے، اور اگر صحبت کے رسمی ایثار، رنج و کلفت کے ساتھ محبت بھی شامل ہو، تو یہ اور زیادہ اولیٰ ہے، حضرت ہجویریؒ نے فرقہ نوریہ کے اس مسلک کو پسندیدہ کہا ہے،

مجاہدہ و ریاضت (۶) سہلیہ:- اس کے امام حضرت سہل بن تستریؒ ہیں، ان کی تعلیم اجتہاد (جد و جہد مشقت)، مجاہدہ نفس اور ریاضت ہے، اجتہاد، مجاہدہ اور ریاضت کی غرض نفس کی مخالفت ہے، اس لیے حضرت ہجویریؒ نے نفس کی تشریح واضح طور

سے کی ہے،

فرماتے ہیں کہ نفس کی مخالفت تمام عبادتوں کا سرچشمہ ہے، نفس کو نہ پہچاننا اپنے کو نہ پہچاننا ہے، جو شخص اپنے کو نہیں پہچانتا، وہ خدا کو نہیں پہچان سکتا، نفس کا فنا ہو جانا حق کے بقا کی علامت ہے، اور نفس کی پیروی حق عزوجل کی مخالفت ہے، نفس پر جبر کرنا یعنی نفسانی خواہشوں کو روکنا جہاد اکبر ہے، حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ نے اس میں بڑا غلو فرمایا ہے، وہ نفس کے مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت قرار دیتے ہیں سہل تستریؒ کے اس مسلک سے بعض گروہوں کو اختلاف ہے، ان کا خیال ہے کہ مشاہدہ محض عنایت ایزدی پر منحصر ہے، مجاہدہ وصل حق کی علت نہیں ہو سکتا، ممکن ہے، ایک شخص حجرہ کے اندر عبادت میں مشغول ہو، پھر بھی حق سے دور ہو اور ایک شخص خرابات میں رہتا ہو گنہگار ہو اور اسے قرب خداوندی حاصل ہو، حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس اختلاف کو محض الفاظ اور تعبیر کا اختلاف قرار دیا ہے کہ ایک شخص مجاہدہ کرتا ہے، تو اس کو مشاہدہ حاصل ہوتا ہے، دوسرا مشاہدہ کرتا ہے کہ مجاہدہ حاصل ہو، مشاہدہ کے بغیر مجاہدہ نہیں اور مجاہدہ کے بغیر مشاہدہ نہیں، اس رائے کے باوجود حضرت شیخ ہجویریؒ مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت قرار نہیں دیتے، بلکہ اس کو وصل حق کا طریقہ اور ذریعہ سمجھتے ہیں،

نفس کے بعد ہوا یعنی نفس کی خواہشوں کا ذکر ہے، اس میں بتایا گیا ہے، کہ بندہ دو چیزوں کا تابع رہتا ہے، ایک عقل کا دوسرے نفس کی خواہشوں کا، جو عقل کا متبع ہوتا ہے، وہ ایمان کی طرف جاتا ہے، اور جو ہوا کی پیروی کرتا ہے، وہ کفر، گمراہی اور ضلالت کی طرف مائل ہے، حضرت جنیدؒ سے پوچھا گیا کہ وصل حق کیا چیز ہے، فرمایا "ہوا کا ترک کرنا" حضرت ہجویریؒ نے بھی اس کی تائید کی ہے، اور کہا کہ سب سے بڑی عبادت ہوا

کا ترک کرنا ہے، گو اس کا ترک کرنا ناخن سے پہاڑ کھودنے سے بھی زیادہ مشکل ہے،

حضرت ہجویریؒ نے ہوا کی دو قسمیں بتائی ہیں، (۱) لذت اور شہوت (۲) جاہ طلبی، اول الذکر کے فتنہ سے خلق محفوظ رہتی ہے لیکن موخرالذکر سے خلق کے درمیان فتنہ پیدا ہوتا ہے، خصوصاً جب یہ جاہ طلبی خانقاہوں میں ہو،

ولایت و کرامت

(۷) فرقہ حکیمیہ :- یہ گروہ حضرت ابو عبداللہ بن علی الحکیم الترمذی کی جانب منسوب ہے، اس فرقہ کا مسلک ہے، کہ ولی اللہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہوتا ہے، جو نفس کی حرص و آز سے پاک ہوکر اسرار الٰہی سے واقف ہوتا ہے، اور اس سے کرامت ظاہر ہوسکتی ہے، اس سلسلہ میں حضرت ہجویریؒ نے ولی کی ولایت اور کرامت پر مفصل بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کچھ بندوں کو اپنا دوست بناتا ہے، ان کی صفات یہ ہیں کہ دنیا وی مال و دولت سے بے نیاز ہوکر وہ صرف ذات خداوندی سے محبت کرتے ہیں جب دوسرے لوگ ڈرتے ہیں تو وہ نہیں ڈرتے، اور جب دوسرے غمزدہ ہوتے ہیں، تو وہ نہیں ہوتے، اور جب ایسے لوگ دنیا میں باقی نہ رہیں گے تو قیامت آجائے گی، معتزل کا اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندے اس کا دوست ہیں، کوئی بندہ خاص اور برگزیدہ نہیں ہوتا، اللہ کا خاص بندہ صرف نبی ہوتا ہے حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہر زمانہ میں اپنے بندوں میں سے کسی ایک کو خاص بناتا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے رسول کی رسالت کی دلیل روشن اور واضح ہوتی رہے، فرقہ حشوی خاص بندوں کا ہونا جائز سمجھتا ہے، مگر اس کا خیال ہے کہ ایسے بندے تھے ضرور، مگر اب نہیں ہیں، لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ کہتے ہیں کہ ایسے بندے ہر زمانہ میں ہوتے ہیں، اور ان کی قسمیں بتائی ہیں،

(۱) اخیار (۲) ابدال (۳) ابرار (۴) اوتاد (۵) نقباء (۶) قطب یا غوث،

ایک گروہ کا اعتراض ہے کہ ولی اپنی ولایت کے باعث عاقبت سے بے خوف اور دنیا پہ مغرور ہو سکتا ہے، لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ نے بہت سے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فانی اور مشاہدۂ حق میں باقی ہو، اسے اپنے وجود کی خبر نہ ہو، اور نہ اس کو اللہ کے سوا غیر کے ساتھ قرار ہو، وہ مشہور ہوتا ہے لیکن شہرت سے پرہیز کرتا ہے کیونکہ شہرت باعثِ فساد و رعونت ہے،

جب ولی اپنی ولایت میں صادق ہوتا ہے تو اس سے کرامت ظاہر ہوتی ہے، کرامت ولی کا خاصہ ہے، کرامت نہ عقل کے نزدیک محال ہے، اور نہ اصولِ شریعت کے خلاف ہے، کرامت محض مقدورِ خداوندی ہے، یعنی اس کا ظہور کسب سے نہیں، بلکہ خدا کی بخششوں سے ہوتا ہے،

اس کے بعد یہ بحث ہے کہ کرامت کا ظہور کب ہوتا ہے، ابو یزیدؒ، ذوالنون مصریؒ اور محمد بن حفیفؒ وغیرہ کا خیال ہے کہ اس کا ظہور سکر کے حال میں ہوتا ہے، اور جو صحو کے حال میں ہو، وہ نبی کا معجزہ ہے، ولی جب تک بشریت کے حال میں رہتا ہے، وہ محجوب رہتا ہے، اور جب خدا کے الطاف و اکرام کی حقیقت میں مدہوش ہو جاتا ہے، تو اس حال میں (جو سکر ہے) کرامت ظاہر ہوتی ہے، اور یہ اس وقت ہوتا ہے، جب ولی کے نزدیک پتھر اور سونا دونوں برابر ہو جاتے ہیں،

حضرت جنیدؒ اور ابو العباس سیاریؒ وغیرہ کا مسلک ہے کہ کرامت سکر میں نہیں بلکہ صحو اور تمکین میں ظاہر ہوتی ہے، ولی خدا کے ملک کا مدبر، واقف کار اور والی ہوتا ہے، اور اس سے ملک کی گتھیاں سلجھتی ہیں، اسی لیے اس کی رائے سب سے زیادہ صائب اور

اس کا دل سب سے زیادہ شفیق ہوتا ہے، مگر یہ مرتبہ تلوین اور سکر میں حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ تلوین اور سکر ابتدائی مدارج ہیں، اور جب یہ آخری منازل تمکین اور صحو میں منتقل ہو جاتے ہیں، تو ولی برحق ہوتا ہے، اور اس کی کرامت صحیح ہوتی ہے،

اس بحث کے بعد اولیاء اللہ کی کرامتوں کا بیان ہے، پھر دو فصلوں میں بتایا گیا ہے، کہ انبیاء اولیا سے افضل تر ہیں، و اولیا، فرشتوں پر فضیلت رکھتے ہیں،

فنا و بقا (۸) فرقہ خرازی: یہ فرقہ حضرت ابوسعید خرازؒ کی جانب منسوب ہے جنھوں نے سب سے پہلے مقامِ فنا اور بقا سے بحث کی ہے اس لیے اس فصل میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے صرف فنا اور بقا پر روشنی ڈالی ہے،

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ فنا سے مراد اپنی ذات اور وجود کا مٹا دینا، اور بقا سے مراد خدا سے متحد ہو کر اس میں حلول کر جانا ہے لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ نے ان دونوں کی تردید کی ہے، ان کے نزدیک ذات اور وجود کا نیست ہو کر خدا میں حلول کرنا محال ہے، کیونکہ حادث قدیم سے مصنوع صانع سے مخلوق خالق سے متحد اور ممتزج نہیں ہو سکتا، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک فنا سے مراد شہوات و لذات کو ترک کر کے خصائص بشریت سے اس طرح علیحدہ ہو جانا ہے کہ پھر محبت و عداوت، قرب و بعد، وصل و فراق، اور صحو و سکر میں کوئی تمیز باقی نہ رہ جائے، اور جب یہ مقصود حاصل ہو جائے تو یہی بقا ہے، اس کو مختصر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ انسانیت کے تعلقات سے کنارہ کش ہونے کا نام فنا ہے، اور اخلاص و عبودیت کا نام بقا ہے، یا علائق دنیوی سے علیحدہ ہونا فنا ہے، اور خدا کا جلال دیکھنا بقا ہے، اس غلبۂ جلال سے یہ کیفیت ہوتی ہے کہ سالک دین و دنیا کو فراموش کر دیتا ہے، حال و مقام سے بے نیاز ہو جاتا ہے، اور اس کی زبان

حق تعالیٰ سے ناطق ہو جاتی ہے،

غیبت وحضور | (۹) فرقہ حقیقی:- یہ فرقہ حضرت ابو عبد اللہ بن خفیف کی جانب منسوب ہے، اس کا مذہب تصوف "غیبت وحضور" ہے،

غیبت سے مراد دل کا اپنے وجود سے غائب رہنا، اور حضور سے مراد اس کا خدا کے ساتھ رہنا ہے، اپنے سے غیبت حق سے حضور ہے یعنی جو شخص اپنے سے غائب ہے، وہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہے، ایک سالک کے اپنے سے غائب ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی ہستی کے وجود کی آفتوں سے دور رہو، اس کی صفات بشری ختم ہوگئی ہوں، اور وہ اس کے تمام ارادے پاک ہوں،

اس سلسلہ میں صوفیۂ کرام نے یہ بحث کی ہے، کہ غیبت حضور پر مقدم ہے، یا حضور غیبت پر، ایک گروہ کہتا ہے کہ غیبت سے حضوری حاصل ہوتی ہے، دوسرا کہتا ہے کہ حضوری سے غیبت حاصل ہوتی ہے حضرت شیخ ہجویریؒ کا خیال ہے کہ دونوں برابر ہیں، کیونکہ غیبت سے مراد حضور ہے، جو اپنے سے غائب نہیں ہے، وہ حق سے حاضر نہیں ہے اور جو حاضر ہے وہ غائب ہے، یہ نکتہ حضرت جنیدؒ کے حال سے واضح ہو جاتا ہے، انھوں نے فرمایا کہ مجھ پر کچھ زمانہ ایسا گذرا ہے کہ آسمان اور زمین میرے حال پر روتے تھے، پھر خدا نے ایسا کر دیا کہ میں ان کی غیبت پر روتا تھا، اور اب یہ زمانہ ہے کہ مجھ کو نہ آسمان کی خبر ہے، نہ زمین کی اور نہ خود اپنی،

جمع وتفرقہ | (۱۰) فرقہ سیاریہ:- یہ فرقہ ابو عباس سیاری کی جانب منسوب ہے، جو مرد کے امام تھے، ان کی بحث جمع وتفرقہ پر ہے، حضرت ہجویریؒ نے اس پر یہ روشنی ڈالی ہے، کہ ارباب علم کے نزدیک جمع توحید کا علم اور تفرقہ احکام کا علم ہے، مگر اصحاب تصوف

کے نزدیک تفرقہ سے مکاسب اور جمع سے مواہب مراد ہیں، جب سالک خدا کے راستہ میں مجاہدہ کرتا ہے، تو وہ تفرقہ میں ہے، اور جب خدا کی عنایت اور مہربانی سے سرفراز ہوتا ہے، تو یہ جمع ہے، جمع میں بندہ کچھ سنتا ہے، تو خدا سے، کچھ دیکھتا ہے، تو خدا کو، کچھ لیتا ہے تو خدا سے اور کچھ کہتا ہے تو خدا سے، پس بندہ کی عزت اس میں ہے کہ وہ اپنے فعل کے وجود اور مجاہدہ کو خدا کی نوازشوں میں مستغرق پائے، اور مجاہدہ کو ہدایت کے پہلو میں منفی کر دے، کیونکہ جب ہدایت غالب ہوتی ہے، تو کسب اور مجاہدہ بے کار ہیں، چنانچہ فرقہ سیاریہ کا مسلک ہے کہ تفرقہ اور جمع اجتماعِ ضدین ہیں جمع کا اظہار تفرقہ کی نفی پر ہے، لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کی تردید کی ہے، اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ جسطرح آفتاب سے نور، جوہر سے عرض اور موصوف سے صفت جدا نہیں ہوسکتی ہے، اسی طرح شریعت حقیقت سے اور مجاہدہ ہدایت سے علحدہ نہیں ہوسکتا، ممکن ہے، کہ مجاہدہ کبھی مقدم ہو، اور کبھی موخر، مقدم کی حالت میں مشقت زیادہ ہوتی ہے، اس وجہ سے کہ وہ غیبت کی حالت میں ہوتا ہے، اور جب مجاہدہ موخر ہوتا ہے تو رنج و کلفت نہیں ہوتی، کیونکہ یہ حالتِ حضوری میں ہوتا ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ نے دونوں کو لازم ملزوم اس لیے قرار دیا ہے کہ ان کا خیال ہے کہ خدا کا قرب ہدایت سے حاصل ہوتا ہے، نہ کہ کوشش سے،

اس کے بعد حضرت شیخ ہجویریؒ نے جمع کی دو قسمیں بتائی ہیں، (۱) جمع سلامت (۲) جمع تکسیر، جمع سلامت میں بندہ مغلوب الحال رہتا ہے لیکن خداوند تعالیٰ اس کا محافظ ہوتا ہے، اور اپنے حکم کی تعمیل کرانے میں نگاہ رکھتا ہے، مثلاً حضرت ابو یزید بسطامیؒ، ابوبکر شبلیؒ، اور ابو الحسن حصریؒ ہمیشہ مغلوب الحال رہتے تھے، لیکن نماز کے وقت اپنے

حال میں لوٹ جاتے تھے، اور جب نماز پڑھ چکتے تھے، تو پھر مغلوب الحال ہو جاتے تھے،

جمع تکسیر میں بندہ خداوند تعالیٰ کے حکم سے بیہوش ہو جاتا ہے، اور اس کی حالت مجنونوں کی سی ہو جاتی ہے،" اسی لیے یہ معذور اور اول الذکر مشکور کہلاتے ہیں، حضرت شیخ ہجویریؒ نے مشکور بندوں کو زیادہ فوقیت دی ہے،

حلول روح | گیارہواں فرقہ حلولیہ ہے، جو ابو حلمان دمشقی کی طرف منسوب ہے، بارہویں فرقہ کا نام نہیں لیا ہے، مگر اس سلسلہ کے بانی کا نام فارس (یعنی فارس بن عیسیٰ بغدادی) بتایا ہے،

حضرت شیخ ہجویریؒ نے فرقہ حلولیہ کو زندیق اور کافر کہا ہے۔ "خدائے تعالیٰ میں بندہ کی روح کا حلول کرنا محال ہے کیونکہ روح حادث ہے، قدیم نہیں، اس کو خدا کی صفت بھی کہہ سکتے ہیں، خالق اور مخلوق کی صفت یکساں نہیں ہو سکتی، پھر قدیم و حادث اور خالق و مخلوق کی صفت کیونکر ایک دوسرے میں حلول کر سکتی ہے، روح محض ایک جسم لطیف ہے، جو خدا کے حکم سے قائم ہے اور اسی کے حکم سے آتی جاتی ہے، اسلیئے حلولیہ کا مسلک توحید اور دین کے خلاف ہے جو کسی طرح تصوف نہیں کہا جا سکتا ہے

گذشتہ صفحات میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے تصوف پر نظری اور تاریخی حیثیت سے بحث کی ہے، جس سے اس کی اصل تاریخ اور اس کے مختلف فرقوں اور گروہوں کے عقائد کا اندازہ ہوتا ہے، لیکن آیندہ ابواب میں تصوف کے عملی مسائل پر مباحث ہیں، اور راہ سلوک میں بارہ حجاب یعنی پردے بتائے ہیں، ان میں سے ہر ایک کی علحدہ علحدہ تشریح اور توضیح ہے،

معرفت | پہلا پردہ خدا کی معرفت کا ہے، معتزلہ کہتے ہیں کہ معرفت علم اور عقل سے ہوتی ہے، مگر حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کی تردید کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگر معرفت علم

اور عقل سے ہوتی تو ہر عالم اور عاقل عارف ہوتا، حالانکہ ایسا نہیں ہے، حضرت ہجویریؒ کا خیال ہے کہ معرفت اسی بندہ کو حاصل ہوتی ہے جس پر خداوند تعالیٰ کی عنایت ہو، وہی دل کو کھولتا ہے،، اور بند کرتا ہے، کشادہ کرتا ہے، اور مہر لگاتا ہے، عقل اور دلیل معرفت کا ذریعہ ہو سکتی ہے، مگر علت نہیں، علت صرف اس کی عنایت ہے، چنانچہ حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ خدا کو میں نے خدا ہی سے پہچانا، اور خدا کے سوا کو اسکے نور سے پہچانا،

معرفت کیا ہے؟ اس پر حضرت شیخ ہجویریؒ نے صوفیۂ کرام کے اقوال کی روشنی میں بحث کی ہے، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ معرفت یہ ہے کہ کسی چیز پر تعجب نہ ہو کیونکہ تعجب اس فعل سے ہوتا ہے، جو مقدور سے زیادہ ہو، لیکن خدائے تعالیٰ ہر کمال پر قادر ہے، پھر عارف کو اس کے افعال پر تعجب کیوں ہو، حضرت ذوالنون مصریؒ کا قول ہے کہ معرفت کی حقیقت یہ ہے، کہ اللہ تبارک تعالیٰ پیہم لطائف کے انوار سے بندہ کو اپنے اسرار سے آگاہ یعنی اس کے دل کو روشن اور آنکھ کو بینا کر کے اس کو تمام آفتوں سے محفوظ رکھے، اس کے دل میں خدا کے سوا موجودات اور مثبتات کا ذرہ برابر وزن قائم ہوتے نہ دے جس کے بعد بندہ ظاہری اور باطنی اسرار کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے، شیخ شبلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ معرفت حیرت دوام کا نام ہے، حیرت دو طرح پر ہوتی ہے، ایک ہستی میں، دوسرے چگونگی میں ہستی میں حیرت کا ہونا شرک اور کفر ہے، اور چگونگی میں معرفت، کیونکہ خدا کی ہستی میں شک نہیں کیا جا سکتا، مگر اس کی ہستی کی چگونگی سے یقین کامل پیدا ہوتا ہے، اور پھر حیرت حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول ہے کہ معرفت یہ ہے کہ بندہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ

مخلوق کی تمام حرکات وسکنات خدا کی طرف سے ہیں کسی کو خدا کے اذن کے بغیر اس کے ملک میں تصرف نہیں ہے، اور ہر چیز کی ذات اس کی ذات سے ہے، ہر چیز کا اثر اس کے اثر سے ہے، ہر شے کی صفت اس کی صفت سے ہے، متحرک اس سے متحرک ہے اور ساکن اس سے ساکن ہے، بندہ کا فعل محض مجازاً ہے، ورنہ درحقیقت وہ فعل خداوند عالم کا ہے،

توحید | دوسرا پردہ توحید کا ہے، توحید تین طرح پر ہوتی ہے (۱) یعنی خداوند تعالیٰ کو خود بھی اپنی وحدانیت کا علم ہے۔ (۲) خداوند تعالیٰ بندوں کو اپنی وحدانیت تسلیم کرنے کا حکم دیتا ہے (۳) بندوں کو خداوند تعالیٰ کی وحدانیت کا علم ہوتا ہے، اور جب سالک کو یہ علم بدرجہ اتم حاصل ہو جاتا ہے، تو وہ محسوس کرتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ایک ہے، جو فصل و وصل کو قبول نہیں کرتا، وہ قدیم ہے، اس لیے حادث نہیں، وہ محدود نہیں جس کے لیے طرفین ہوں، وہ مکین نہیں جس کے لیے مکان ہو، وہ عرض نہیں جس کے لیے جوہر ہو، وہ کوئی طبع نہیں کہ اس میں حرکت اور سکون ہو، وہ کوئی روح نہیں کہ جو اس کے لیے بدن ہو، وہ کوئی جسم نہیں کہ اس کے لیے اجزا ہوں، وہ قوت اور حال نہیں کہ اور چیزوں کی جنس ہو، وہ کسی چیز سے نہیں کہ کوئی چیز اس کا جزو ہو، اس کی ذات وصفات میں کوئی تغیر نہیں، وہ زندہ رہنے والا ہے، وہ جاننے والا ہے، سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے، کلام کرنے والا ہے، اور باقی رہنے والا ہے، وہ جو کچھ چاہتا ہے، وہی کرتا ہے، اور وہی چاہتا ہے، جو جانتا ہے، اس کا حکم اس کی مشیت سے ہے، اور بندوں کو اس کے بجا لانے کے سوا کوئی چارہ نہیں، وہی نفع اور نقصان کا باعث ہے، وہی نیکی اور بدی کا اندازہ کرنے والا ہے،

ایمان | تیسرا پردہ ایمان کا ہے، اس میں یہ بحث ہے کہ ایمان کی علت کیا ہے، معرفت یا طاعت، ایک گروہ کا خیال ہے کہ ایمان کی علت معرفت ہے، اگر معرفت ہو اور طاعت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ بندہ سے مواخذہ نہ کرے گا، لیکن طاعت ہو اور معرفت نہ ہو تو بندہ نجات نہیں پائے گا، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک وہ معرفت پسندیدہ نہیں ہے جس میں طاعت نہ ہو، ان کے نزدیک معرفت شوق اور محبت کا نام ہے، اور شوق اور محبت کی علامت طاعت ہے شوق اور محبت جس قدر زیادہ ہوتی جائے گی، اسی قدر فرمان الٰہی کی تعظیم بڑھتی جائے گی، یہ کہنا غلط ہے کہ طاعت کی ضرورت اسی وقت تک ہے جب تک خداوند تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ ہو، اور حصولِ معرفت کے بعد دل شوق کا محل ہو گیا، اور جسمانی طاعت کی تکلیف اٹھ گئی، بلکہ صحیح یہ ہے کہ جب قلب خدا کی دوستی کا محل، آنکھیں اس کے دیدار کا محل، جان عبرت کا محل اور دل مشاہدہ کا مقام ہو گیا، تو پھر تن کو اس کی طاعت ترک نہ کرنی چاہیئے،

طہارت | چوتھا پردہ طہارت کا ہے، حضرت ہجویریؒ کے نزدیک ایمان کے بعد طہارت فرض ہے، اس کی دو قسمیں ہیں، (۱) طہارت ظاہر (۲) طہارت باطن، طہارتِ ظاہر سے مراد بدن کا پاک ہونا ہے جس کے بغیر نماز درست نہیں، اور طہارتِ باطن سے مراد دل کا پاک ہونا ہے جس کے بغیر معرفت حاصل نہیں ہو سکتی، باطن کی طہارت خدا کی بارگاہ میں توبہ سے ہوتی ہے، جو سالک کا پہلا مقام ہے، توبہ کے معنی ہیں خداوند تعالیٰ کے خوف سے اس کے نواہی سے باز رہنا توبہ کے لیے تین شرطیں ہیں: (۱) خدا کے حکم کی مخالفت پر تاسف ہو، (۲) یہ مخالفت فوراً ترک کر دی گئی ہو (۳) اس کی طرف لوٹنے کا خیال نہ ہو، یہ شرطیں اسی وقت ممکن ہیں جب ندامت ہو، اس ندامت کے لیے بھی تین شرطیں ہیں، (۱) عقوبت کا

خوف ہو، (۲) یہ خیال ہو کہ بُرے کاموں کا حاصل کچھ بھی نہیں، (۳) نافرمانیوں سے پشیمانی ہو کہ خدا سب کچھ دیکھتا ہے،

ندامت سے توبہ کرنے والوں کی بھی تین قسمیں ہیں،

(۱) عذاب کے ڈر سے، اس توبہ کو کہتے ہیں، جو عام بندے کیا کرتے ہیں،

(۲) ثواب کی خواہش سے یہ انابت ہے جو اولیاء اللہ کے لیے مخصوص ہے،

(۳) حصول عرفان کے لیے، یہ اذابت ہے، جو انبیاء و مرسلین کے لیے ہے،

آگے چل کر توبہ کی بھی تین قسمیں بتائی گئی ہیں،

(۱) خطاب سے ثواب کی جانب ہو، یعنی گناہ کرنے والا بخشش کا خواستگار ہو، یہ توبہ عام ہے،

(۲) صواب سے صواب کی طرف ہو، یہ اہل ہمت اور خاص لوگوں کی توبہ ہے،

(۳) خودی سے حق تعالیٰ کی طرف ہو، یہ محبت کی دلیل ہے،

نماز | پانچواں حجاب نماز کا ہے، اس میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے صوفیانہ رنگ میں بتانے کی کوشش کی ہے، کہ نماز بندوں کو خدا کے راستہ پر پہنچاتی ہے، اور ان پر اس راہ کے تمام مقامات کھل جاتے ہیں، وضو یعنی جسم کی طہارت توبہ (یعنی باطن کی طہارت) ہے، قبلہ رو ہونا، مرشد سے تعلق پیدا کرنا ہے، قیام نفس کا مجاہدہ ہے، قرات ذکر ہے رکوع تواضع ہے، سجدہ نفس کی معرفت ہے، تشہد انس یعنی محبت کا مقام ہے، اور سلام دنیا سے تنہا ہو کر مقامات سے باہر آنا ہے،

نماز کے سلسلہ میں بہت سی بحثیں ہیں، مثلاً صوفیہ کا ایک گروہ نماز کو حضور کا ذریعہ (آلہ) اور دوسرا غیبت کا محل سمجھتا ہے، لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ نے دونوں کی تردید کی

ہے، ان کے دلائل یہ ہیں کہ اگر نماز حضور کی علامت ہوتی تو نماز کے سوا حضوری نہ ہوتی، اور اگر غیبت کی علامت ہوتی تو غائب نماز کو ترک کرنے سے حاضر ہوتا، چنانچہ حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک نماز محض اپنی ذات کا ایک غلبہ ہے، جس کا تعلق غیبت اور حضور سے نہین،

ایک بحث یہ بھی ہے کہ نماز سے تفرقہ ہوتا ہے، یا جمع جن کو نماز مین تفرقہ ہوتا ہے، وہ فرض اور سنت کے سوا نمازین بہت کم پڑھتے ہیں، اور جن کو جمع کی کیفیت حاصل ہوتی ہے، وہ رات دن نمازین پڑھا کرتے ہیں، شیخ ہجویریؒ کے نزدیک نماز پڑھنے والون کے لیے نفس کا فنا کرنا ضروری ہے، مگر اس کے لیے ہمت کو جمع کرنے کی ضرورت ہے، اور جب ہمت جمع ہو جاتی ہے، تو نفس کا غلبہ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ نفس کی حکومت تفرقہ سے قائم رہتی ہے، تفرقہ عبادت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا،

حضرت شیخ ہجویریؒ کی رائے میں اعلیٰ نماز یہ ہے کہ جسم عالم ناسوت میں ہو، اور روح عالم ملکوت میں، صوفیائے کرام نے ایسی نمازین پڑھی ہیں، حضرت حاتم اصمؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں نماز پڑھتا ہوں تو بہشت کو اپنی سیدھی جانب اور دوزخ کو پشت کی جانب دیکھتا ہون، حضرت ابو الخیر اقطع کے پاؤں میں آکلہ ہو گیا تھا، اطبا نے پاؤن کاٹنا چاہا، مگر وہ راضی نہ ہوئے، ایک روز وہ نماز سے فارغ ہوئے، تو پاؤن کو کٹا ہوا پایا، ایک بی بی کو نماز میں بچھو نے چالیس بار ڈنک مارا مگر ان کی حالت میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا، وہ نماز سے فارغ ہوئیں تو ان سے پوچھا گیا کہ بچھو کو کیوں نہیں اپنے سے دور کیا، بولین، خدا کے کام کے درمیان اپنا کام کیسے کرتی، مردوں کے لیے نماز باجماعت کی تاکید ہر حال میں کی ہے چنانچہ انھوں نے خود چالیس برس کی مسلسل سیاحت میں ہر وقت کی نماز جماعت

سے ادا کی، اور جمعہ کی نماز کسی قصبہ میں پڑھی، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے،

زکوٰۃ | چھٹا حجاب زکوٰۃ ہے، جو ایمان کا جزء ہے، اس سے روگردانی جائز نہیں، سالک کو زکوٰۃ میں نہ صرف سخی، بلکہ جواد ہونا چاہئیے، سخی سخاوت کے وقت اچھے اور برے مال میں اور اس کی زیادتی و کمی میں تمیز کرتا ہے، مگر جواد کے ہاں اس قسم کا فرق و امتیاز نہیں ہوتا،

اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے، کہ صوفی کے فقر میں زکوٰۃ کی گنجایش کہاں؟ مگر حضرت ہجویریؒ کے نزدیک زکوٰۃ صرف مال ہی کی نہین ہر شے کی ہوتی ہے، زکوٰۃ کی حقیقت نعمت کی شکر گذاری ہے، تندرستی ایک نعمت ہے جس کے لیے زکوٰۃ لازم ہے، اس کی زکوٰۃ سب اعضا کو عبادت میں مشغول رکھنا ہے، باطن بھی ایک نعمت ہے، اس کی زکوٰۃ عرفان حاصل کرنا ہے،

روزہ | ساتوان حجاب روزہ ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک روزہ سے مراد حواس خمسہ کو اس طرح مقید کرنا ہے کہ نفس و ہوا کا گذر نہ ہو، بھوک سے بحث کرتے ہوئے بتایا ہے، کہ اس سے نفس میں فنادگی اور دل میں عاجزی پیدا ہوتی ہے، اگرچہ بھوک سے جسم بلا میں مبتلا ہوتا ہے لیکن دل کو روشنی، جان کو صفائی اور سر کو بقا حاصل ہوتی ہے، حضرت ابو العباس قصابؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں کھاتا ہوں تو اپنے میں گناہو کا مادہ پاتا ہون، اور جب کھانے سے ہاتھ اٹھا لیتا ہوں تو سب طاعتوں کی اصل پاتا ہون، حضرت عبداللہ تستریؒ پندرہ روز میں ایک دفعہ کھانا کھاتے تھے، اور جب ماہ رمضان المبارک شروع ہوتا تھا، تو معمولی افطار کے سوا عید تک وہ کچھ نہیں تناول فرماتے تھے، حضرت ابراہیم ادہمؒ بھی رمضان المبارک میں کوئی چیز نہیں کھاتے تھے، حالانکہ سخت گرمی کا موسم ہوتا تھا، روزانہ گیہوں کاٹنے کے کام پر جایا کرتے تھے،

اور جو کچھ مزدوری ملتی تھی، اس کو فقراء اور مساکین کو دیدیا کرتے تھے،

حج | آٹھواں حجاب حج کا ہے، حضرت ہجویریؒ کے نزدیک حج کے لیے ایک صوفی کا نکلنا گناہوں سے توبہ کرنا ہے، کپڑے اتار کر احرام باندھنا انسانی عادتوں سے علٰیحدہ ہونا ہے، عرفات میں قیام کرنا مشاہدہ کا کشف حاصل کرنا ہے، مزدلفہ جانا نفسانی مرادوں کو ترک کرنا ہے، خانہ کعبہ کا طواف کرنا خدائے تعالیٰ کے جمال باکمال کو دیکھنا ہے، صفا اور مروہ میں دوڑنا دل کی صفائی اور اس میں مروت حاصل کرنا ہے، منیٰ میں آنا آرزوؤں کو ساقط کرنا ہے، قربانی کرنا گویا نفسانی خواہشوں کو ذبح کرنا ہے، اور کنکریاں پھینکنا برے ساتھیوں کو دور کرنا ہے، جس صوفی کو حج میں یہ کیفیات حاصل نہیں ہوئیں، اس نے گویا حج نہیں کیا،

مشاہدہ | حضرت شیخ ہجویریؒ نے حج کو مقام مشاہدہ قرار دیا ہے، اس لیے اس باب میں مشاہدہ پر بحث کی ہے، حضرت ابو العباس نے فرمایا کہ مشاہدہ یقین کی صحت اور محبت کا غلبہ ہے، یعنی حبیب خداوند تعالیٰ کی محبت کا غلبہ اس درجہ پر ہو کہ اس کی کلیت اس کی حدیث ہو جائے، تو پھر اللہ کے سوا کوئی اور چیز دکھائی نہیں دیتی، حضرت شیخ شبلیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جس چیز کی طرف دیکھا، خداوند عالم کے لیے دیکھا یعنی اس کی محبت کا غلبہ اور اس کی قدرت کا مشاہدہ کیا، ان دونوں اقوال سے ظاہر ہوتا ہے، کہ مشاہدہ میں ایک گروہ فاعل کو اور دوسرا فاعل کے فعل کو دیکھتا ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک مشاہدہ دل کا دیدار ہے، دل پر تو انوار الٰہی ہے، اس لیے ظاہر اور باطن میں حق تعالیٰ کا دیدار کرتا ہے، اور یہ دیدار کیفیت ہے، جو ذکر و فکر میں حاصل ہوتی ہے،

آداب سالک | اس کے بعد مختلف ابواب میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے سالک کے طریق و آداب پر بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) سالک ہر حال میں حق کے احکام

کا اتباع کرتا ہو (۲) ہر دن کا حق بھی ادا کرتا ہو، (۳) اس کے لیے کسی شیخ کی صحبت ضروری

ہے، کیونکہ تنہائی اس کے لیے آفت ہے، (۴) جب کوئی درویش اس کے پاس آئے،

تو عزت کے ساتھ استقبال کرے، (۵) سفر کرے تو خدا کے واسطے کرے، یعنی اس کا

سفر حج یا غزوہ یا علم یا کسی شیخ کی تربت کی زیارت کے لیے ہو (۶) اس کا کھانا اور

پینا بیماروں کے کھانے اور پینے کے مانند ہو، اور حلال ہو، وہ دنیادار کی دعوت

قبول نہ کرے، (۷) چلے تو خاکساری اور تواضع سے چلے، رعونت اور تکبر اختیار نہ کرے

(۸) اسی وقت سوئے جب نیند کا غلبہ ہو، (۹) خاموش رہے، کیونکہ خاموشی گفتار سے

بہتر ہے لیکن گفتار کے ساتھ حق ہو تو وہ خاموشی سے بہتر ہے (۱۰) کسی چیز کی طلب

کرے تو خدا سے کرے، (۱۱) تجرّد کی زندگی سنت کے خلاف ہے، اس کے علاوہ

تجرد میں نفسانی خواہشات کا غلبہ رہتا ہے لیکن اگر سالک خلق سے ... ورنہ تنہا رہنا چاہتا ہو تو

مجرد رہنا اس کے لیے زینت ہے،

سماع آخر میں سماع پر بحث ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک سماع مباح ہے، مگر اس

کے لیے حسب ذیل شرطیں ہیں، سالک سماع بلا ضرورت نہ سنے اور طویل وقفہ کے بعد

سنے، تاکہ اس کی تعظیم دل میں قائم رہے، محفل سماع میں مرشد موجود ہو، عوام شریک نہ ہوں،

قوال فاسق نہ ہوں، سماع کے وقت دل دنیاوی علائق سے خالی ہو، طبیعت لہو ولعب

کی طرف مائل نہ ہو، اگر وجد کی کیفیت طاری ہو جائے، تو اس کو تکلف کے ساتھ نہ روکے،

اور یہ کیفیت جاری رہے تو تکلف کے ساتھ اس کو جذب کرنے کی کوشش نہ کرے،

وجد کے وقت کسی سے مساعدت کی امید نہ رکھے، اور کوئی مساعدت کرے تو اس کو نہ روکے،

قوال کے گانے کی اچھائی اور برائی کا اظہار نہ کرے، محفل سماع میں لڑکے نہ ہوں، حضرت

حضرت شیخ ہجویریؒ نے سماع کے وقت رقص کو کسی حال میں بھی پسند نہیں کیا ہے، بلکہ اس کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے۔[1]

---

[1] کہا جاتا ہے کہ کشف المحجوب کے ضمیمہ کے طور پر حضرت علی ہجویریؒ نے ایک رسالہ کشف الاسرار کے نام سے بھی لکھا تھا،